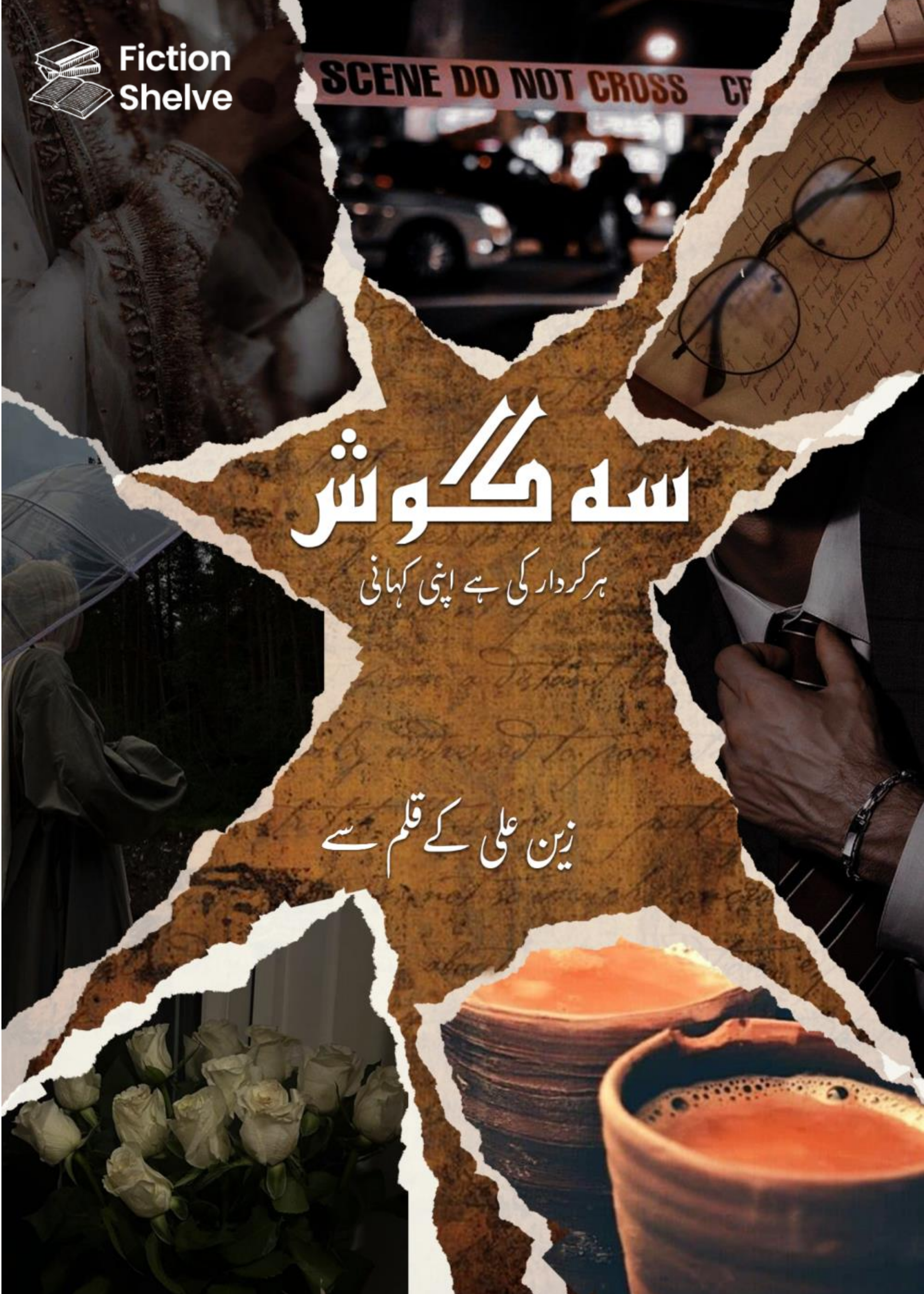
Fiction
Shelve
SCENE DO NOT CROSS CR
سہ گوش
ہر کردار کی ہے اپنی کہانی
زین علی کے قلم سے

سہ گوش از زین علی

قسط نمبر02:

بھولے ہوئے لوگ یاد آئے ہیں

کچھ باتیں، کچھ وعدے، کچھ اذیتیں

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔اسکی آنکھیں پہلے جیسی نہیں تھیں۔وہ آنکھیں کچھ بدلی بدلی سی لگ رہی تھیں۔

آنکھیں ہمارے اچھے برے وقت کی عکاسی کرتیں ہیں۔

آنکھیں ہمارے دل کا حال بیان کرتیں ہیں۔

اسکی آنکھوں میں کچھ عجیب سا تھا۔وہ فیصلہ نہیں کر پائی کہ اس کی آنکھوں میں کیا الگ ہے۔

"ساغر۔" اسکے لب ہلے۔ اسکی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

تنزیلہ کو جیسے کچھ یاد آیا تھا۔ وہ کھڑی تو وہیں تھی لیکن اسکی یادیں اسے کہیں اور لے گئی تھیں۔ اسکی یادیں اسے موجودہ دن سے چار سال پہلے لے گئیں تھیں۔

وہ ایک خوبصورت دن تھا۔ سورج چمک رہا تھا۔ نیلے آسمان پر چند ایک بادل بھی تیرتے ہوئے کہیں جا رہے تھے۔

وہ دونوں نیو ٹاؤن پارک میں بیٹھے تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح پارک کے پچھلی طرف بیٹھے تھے۔

یہ انکی پسندیدہ جگہ تھی۔ بینچ کے ساتھ ہی تھوڑے فاصلے پر ایک بڑا سا درخت تھا جس کا سایہ کافی دور تک جاتا تھا۔

"تنویر کتنی بار کہا ہے کہ ایسی باتیں نہ کیا کرو۔" وہ خفا سا بیٹھا تھا۔

"تم رشتہ لے کر آ جاؤ۔ میں پھر ایسی کوئی بھی بات نہیں کروں گی۔" تنزیلہ بولی۔ "کتنی بار کہہ چکی ہوں۔"

تنزیلہ کے چہرے پر پریشانی نمایاں تھی۔

اس نے سرخ رنگ کی کھلی سی فراک پہن رکھی تھی۔

"سرخ رنگ تم پہ بہت اچھا لگتا ہے۔" ساغر نے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ گفتگو کا رخ بدلنا چاہتا تھا۔

وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔ وہ رشتہ بھیجنے والی بات اکثر نظر انداز کر دیتا تھا۔

تنزیلہ خفا نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سورج کی روشنی سے سرخ فراک چمکی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ تنزیلہ کی سفید رنگت پہ سرخ بہت بھلا لگتا تھا۔

"توکب لاؤ گے آنٹی انکل کو۔۔۔رشتہ مانگنے۔" تنزیلہ اسکا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے بولی تھی۔

"کیا ہو گیا تنو۔ کوئی ڈھنگ کی نوکری تو مل جانے دو۔ پھر آؤں گا ناور پھر تمہارے ابو انکار بھی نہیں کر سکیں گیں۔" وہ رکا، اس نے تنزیلہ کو دیکھا اور بولا۔ "اکلوتا ہوں اپنے ماں باپ کا۔ گھر بھی ہے اپنا لیکن۔۔۔ایک عدد نوکری کی کمی ہے۔ جلد ہی مل جائے گی نا۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بول رہا تھا۔ "تھوڑا انتظار کر لو۔"

"کب تک۔"

"میں بہت جلد آؤں گا میری پیاری تنو۔" اس نے لاڈ سے اسکا ہاتھ پکڑا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ میں چلتی ہوں۔" تنزیلہ اپنا ہاتھ الگ کر کے اٹھنے لگی۔

ساغر نے اسکا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ نیچے بٹھا دیا۔ "صبر کر وابھی تھوڑی دیر تک چلی جانا۔"

وہ دوبارہ بیٹھ گئی اور اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

اس نے پلکیں جھپکیں۔ منظر بدلا۔ وہ واپس حال میں آچکی تھی۔

اُف یہ یادیں۔

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ہاں۔۔۔اسکی آنکھیں بدل چکی تھیں۔

ان آنکھوں میں پہلے جیسی محبت تو تھی لیکن نامکمل اور لاحاصل محبت کی تڑپ بھی تھی۔

وہ اسکے سامنے کھڑا تھا۔ بارش میں بھیگا ہوا۔ وہ اسے نظرانداز کر کے مڑی اور اپنی کار کی جانب قدم قدم بڑھنے لگی۔

وہ بھی اسکے پیچھے چلنے لگا۔ وہ بارش میں بھیگ رہا تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔

وہ اسے چار سال بعد دیکھ رہا تھا۔ وہ اسکی آواز سننا چاہتا تھا۔

یہ دل اور اسکی چاہتیں۔

"پلیز۔۔۔چلے جاؤ۔" وہ بنامڑے بولی۔

وہ وہیں رک گیا۔

"ایک۔۔۔۔بار۔۔۔۔بات سن لو۔" اس نے پیچھے سے دبی دبی سی آواز لگائی۔

وہ مڑی۔ "اپنی نہ سہی میری عزت کا ہی خیال کرلو۔بے شرموں کی طرح آوازیں لگا رہے ہو۔" وہ غصے سے مڑی اور ہر لفظ چبا چبا کر بولی تھی۔

وہ بارش میں بھیگتا رہا اور وہ کب کی اسے سنا کر جا چکی تھی۔

وہ وہیں کھڑا نا جانے کیا سوچتا رہ گیا۔

---☆☆☆---

سہ گوش
(از زین علی)

رستم گلی سے دور اس وقت فلک اپنے کواٹر میں چار پائی پہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔رات ہو چکی تھی۔وہ چند ہفتے پہلے ہی اس علاقے میں ٹرانسفر ہو کر آیا تھا۔اسے تھانے کے ساتھ بنا کواٹر رہنے کیلئے دے دیا گیا تھا۔

یہ چھوٹا سا تھانہ چمن پور اور آس پاس کے دیہات کو لگتا تھا۔تھانے میں انسپکٹر فلک کے علاوہ بس چند سپاہی ہی تھے۔

وہ اونچے قد اور کثرت شدہ جسم کا مالک،خوبصورت جوان لڑکا تھا۔اسکے چہرے پر کالی گھنی مونچھیں بہت بھلی لگتی تھیں۔اسکی آنکھیں گہری بھورے رنگ کی تھیں۔

دروازے پہ دستک ہوئی۔وہ تھوڑا حیران ہوا۔اس وقت کون ہو سکتا ہے۔اس نے سوچا تھا۔

وہ اٹھا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔سامنے اسکا چہیتا کانسٹیبل مٹیار گل کھڑا تھا۔وہ پریشان لگ رہا تھا۔

مٹیار گل شکل سے بہت تیز و چست لگتا تھا۔ درمیانے قد والا یہ لڑکا فلک کا پسندیدہ سپاہی تھا۔ مٹیار گل نسل سے پٹھان تھا لیکن پنجابی اور اُردو اچھی بول لیتا تھا۔

"کیا ہوا گل۔ سب خیریت۔۔۔"

"پنڈ سے نوری نام کا ایک آدمی تھانے آیا ہے۔ کہہ رہا ہے اس نے کچھ دیکھا تھا۔" مٹیار گل نے کوارٹر آنے کی وجہ بتائی۔

"چلو۔۔۔" فلک باہر نکل آیا۔

دونوں تھانے آ گئے۔

فلک اپنے دفتر میں داخل ہوا۔

"سلام صاب۔" ایک شخص نے فلک کو دیکھتے ہی کھڑے ہو کر سلام کیا۔

"یہ رہا صاحب۔۔۔ نوری۔" مٹیار گل نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

فلک میز کے پیچھے رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ کرسی کے پیچھے دیوار پر اوپر کر کے قائد اعظم کی بڑی سے پُرکشش تصویر آویزاں تھیں۔

نوری کالی رنگت والا موٹا سا آدمی تھا۔ اسکے کچھ بال سفید ہو چکے تھے۔

"نوری تم نے کیا دیکھا۔" فلک نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ ہچکچاتے ہوئے کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

"سرکار میں کچھ بتانا چاہتا ہوں لیکن ایک چھوٹی سی درخاست (درخواست) ہے۔ میرا نام کھتے وی نا آوے۔ (میرا نام کہیں بھی نا آئے)" وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ رازدانہ انداز میں۔

"ٹھیک ہے بولو تم نے کیا دیکھا۔" فلک خالص پولس والے انداز میں بولا تھا۔

فلک کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"میں اپنی بکریوں کو ندی کنارے لے کر گیا تھا۔ اکثر وہاں جاتا ہوں انہیں سیر کروانے اور گھاس چرانے۔" وقفہ۔ "میں نے چودھری کے ملازم کو ایک بندے کے ساتھ بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ دوسرے والے نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔"

فلک غور سے سن رہا تھا۔ رانی قتل کیس میں یہ ایک اہم کڑی ہو سکتی تھی۔

"وہ کھیتوں کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ تب ندی کی دوسری طرف سے شور کی آوازیں آنے لگیں تو میں بھی شور سن کر ادھر آگیا۔ سامنے رجب کی تی (بیٹی) گری پڑی تھی۔ آس پاس لوگ جمع ہونے لگے تھے۔"

"ہوں۔۔۔ قتل کے پیچھے چودھری کا ملازم ہو سکتا ہے۔" فلک نے سوچتے ہوئے خود سے ہی سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"تم نے یہ بات صبح کیوں نہیں بتائی۔" مٹیار گل بولا۔

"سرکار میں ڈر گیا تھا۔ مینوں (مجھے) لگا جب میں چودھری کے ملازم کا ذکر سب کے سامنے کروں گا تو کوئی نہ کوئی اسے بتادے گا اور وہ میرے ساتھ دشمنی بنا لے گا۔" نوری بولا۔ "چودھری کا ذکر میں نے کیا ہے، یہ اسے مت بتائیے گا۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" فلک نے کہا۔

نوری لنگڑاتا ہوا تھانے سے نکل گیا۔ وہ لنگڑاتا تھا اس بات کا علم فلک کو اب ہوا تھا۔

"کل چودھری کی حویلی جانا ہے۔ چودھری سے ہماری آخری ملاقات بھی ادھوری رہ گئی تھی اور اب تو اسکے ملازم سے بھی ملنا ہے۔ لیکن اس سب سے پہلے مجھے رانی کی بہن مریم سے کچھ بات کرنی ہے۔ پہلے وہاں چلے گیں پھر چودھری کے طرف۔" فلک نے مٹیار گل سے کہا۔ "صبح تانگے کا انتظام کروا کر رکھنا۔"

"جی جناب۔"

فلک اٹھا اور اپنے کواٹر میں چلا آیا۔اس نے چارپائی پہ پڑے کھانے کو دیکھا۔اس کا اب کچھ کھانے کا دل نہیں تھا۔ کھانے کو کچن میں رکھنے کے بعد وہ چارپائی پہ لیٹ گیا۔گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی آگے بڑھتی جارہی تھیں۔

وہ رانی قتل کیس کے بارے میں ہی سوچتا ہوا نا جانے کب سو گیا۔

---☆☆☆---

ایک خوبصورت صبح خراب کرنے کیلئے ایک جملہ کافی ہوتا ہے۔ تنزیلہ اور مرید صاحب ناشتہ کرنے نیچے آئے تو میرب بیٹھی ناشتہ کرنے میں مصروف تھی۔

اسکے چہرے پر بیزاری تھی۔

"گڈ مارننگ۔" مرید صاحب نے سربراہی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"گڈ۔۔۔اونہوں۔" میرب نے اٹھتے ہوئے تنزیلہ کو نفرت سے دیکھا۔

میرب نے تنزیلہ کو دیکھ لیا تھا ان یہ صبح کہاں کی گڈ تھی۔

وہ تنزیلہ کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔اس لئے وہ پہلے ہی اکیلی بیٹھ کر ناشتہ کرلیتی تھی۔

یہ تنزیلہ اور مرید صاحب کی شادی کے بعد سے ہی چل رہا تھا۔وہ نا تو تنزیلہ سے بات کرنا پسند کرتی تھی نا اسکے ساتھ بیٹھنا۔

"بیٹھو میرب کچھ بات کرنی ہے۔" وہ نرم لہجے میں بولے۔

تنزیلہ بھی کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔اس نے خاموشی سے انڈہ پلیٹ میں ڈالا اور کھانے لگی۔

"مجھے نہیں کرنی بات وات۔" میرب بدتمیزی سے بولی اور مڑ کر جانے لگی۔

"تمہیں دیکھنے میرے دوست کی فیملی آج آئے گی۔ کہیں جانا نہیں آج۔" انہوں نے آواز لگائی۔

اسکے قدم برف ہوئے۔

"واٹ۔۔۔کیوں!" وہ غصے سے چیخی۔

"انکے بیٹے کیلیئے تمہارا ہاتھ مانگنے آرہے ہیں۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

تنزیلہ خاموشی سے سنتی رہی۔ وہ باپ بیٹی کی گفتگو میں کم ہی آتی تھی۔

"نو! آپ منع کردیں۔" وہ اتنا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

اسکی خوبصورت صبح خراب ہوچکی تھی۔ اس کا چہرہ غصے سے لال ہونے لگا۔

"یقیناً یہ اس تنزیلہ نامی چڑیل کا ہی کام ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ "دیکھ لوں گی اسکو میں۔" وہ بیڈ پہ بیٹھی اور موبائل پہ کسی کا نمبر تلاش کرنے لگی۔

نیچے ناشتے کی میز پہ بیٹھے مرید صاحب سوچتے ہوئے بولے۔ "میرب شاید کسی لڑکے کو پسند کرتی ہے۔ تم اس سے بات کروگی۔"

تنزیلہ نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ پھر احساس ہوا کہ مرید صاحب اسے ہی کہہ رہے تھے۔

"میں۔۔۔"وہ زخمی سا مسکرائی۔"وہ مجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتی اور آپ کہہ رہے ہیں میں اسکی ماں بن کر اس سے اسکی پسند ناپسند کی بات کروں۔آپ کو کیا لگتا ہے کہ۔۔۔وہ مجھے بتائے گی۔نہیں۔۔۔وہ کبھی نہیں بتائے گی۔"

"کوشش تو کرو۔"مرید صاحب نرم لہجے میں بولے۔

"نفرت کرتی ہے مجھ سے وہ۔۔۔مگر میں کوشش کروں گی۔صرف آپ کے کہنے پر بات کر کے دیکھتی ہوں۔"

"شکریہ تنو۔"وہ اسے تنو کبھی کبھی ہی کہتے تھے۔

(تنو۔۔۔تنو۔۔۔تن۔۔۔)کسی کی آواز تنزیلہ کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

اف یہ یادیں

یہ یادیں ہیں

یا سزا کوئی

ہر پل اذیت دیتی ہیں

ہر پل ستاتی ہیں

---☆☆☆---

یہاں سے دور رستم گلی کے ایک مکان، جسکے صحن میں برگد کا درخت لگا ہے، وہ بھی سورج کی روشنی سے روشن ہو چکا تھا۔نیلے آسمان پہ سفید بادل تیر رہے تھے۔

"اور لے لو بیٹا۔" چچی شمیم نے اسکی پلیٹ میں دوسرا انڈہ ڈالا۔

"شکریہ چچی۔" کمیل بولا۔

"صلومی کہاں ہو آجاؤ۔" چچی نے آواز لگائی۔

صلومی کچن میں اپنے لئے کمیل کے بتائے طریقے سے چائے بنا رہی تھی۔

وہ ناشتے کیلئے صحن میں ہی درخت کے قریب چھوٹا سا میز اور کرسیاں لگا لیا کرتے تھے۔

"آگے کیا ارادہ ہے۔" چچی اسے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

"چچی واپس نہیں جا سکتا ابھی۔ ابھی کے لئے یہیں رہوں گا۔۔" وہ بولا۔ "اگر آپ کو۔۔۔ ٹھیک نہیں لگتا ہے کہ میں یہاں رہوں تو میں اپنے کسی دوست کے گھر چلا جاؤں گا۔ نہیں تو ہوٹل میں۔"

انہوں نے تسلی سے اسکی بات سنی پھر بولیں۔

"بیٹا تم جتنی دیر چاہو یہاں رہ سکتے ہو۔ بھلا میں کیوں چاہوں گی کہ تم جاؤ۔" وہ شفیق انداز میں بولیں تھیں۔ "یہ گھر بھی تمہارا ہے اور ہم بھی۔"

"شکریہ چچی جان۔" اس نے لاڈ سے کہا۔

اسی پل صلومی کچن سے باہر آتی دکھائی دی۔ سفید چہرہ اور گلابی گال لئے وہ مسکراتی ہوئی کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔

"چچی۔۔۔ میں آج بازار جاؤں گا۔ کچھ چاہیئے آپکو؟" وہ بولا اور پانی کے گلاس کو لبوں سے لگایا۔

"نہیں بیٹا۔۔۔ کچھ نہیں چاہیئے۔۔۔ ویسے تم کیا خریدنے جارہے ہو۔" چچی نے سرسری سا پوچھا تھا۔

"یہی بس۔۔۔ کپڑے، جوتوں کی ایک دو جوڑی اور مزید کچھ سامان لینا ہے۔" وہ بولا۔

"میں بھی چلوں ساتھ۔" صلومی بولی۔ وہ یک دم ہی پُرجوش ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے وہ کچھ شرمندہ بھی ہو گئی تھی۔

چچی نے پہلے اسے اور پھر کمیل کو دیکھا۔

"چچی اجازت دیں تو ضرور چلو۔ مجھے تو اعتراض نہیں ہے تمہیں ساتھ لے جانے میں۔" کمیل نے ایک نظر چچی کو دیکھا۔

چچی برتن سمیٹ رہی تھیں۔

صلومی نے امید سے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔ معصوم نظروں سے۔

"اچھا چلے جانا تم لوگ لیکن شام سے پہلے واپس آجانا۔" چچی کہتی ہوئی اٹھیں اور کچن میں چلی گئیں۔

"ہم اردو بازار بھی چلیں گیں۔ مجھے ڈائجسٹ اور کچھ چزیں لینی ہے۔اور۔۔۔آتے ہوئے منے کے گول گپے بھی کھائیں گیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر میں نکلتے ہیں۔"

وہ پلیٹ میں رکھے دوسرے انڈے کو کھانے لگا۔ صلومی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ چھری کانٹے سے کھاتا سمجھدار جینٹل مین لگ رہا تھا۔ انڈہ ختم ہوا تو مسکرا کر اپنے برتن سمیٹنے لگا۔ وہ چائے پیتے، اسے برتن سمیٹتے ہوئے دیکھتی رہی۔

موسم اسے مزید خوشگوار لگنے لگا تھا۔

صلومی اور کمیل کی کہانی میں کچھ خاص ہونے والا تھا۔

---☆☆☆---

چمن پور کے نیلے آسمان پہ سفید بادل تیرتے ہوئے آگے کسی دوسرے شہر کی طرف جا رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا لیکن دلوں میں غم اور اداسی تھی۔

رجب اور سلمہ دونوں چارپائی پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمہ کی روئی ہوئی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔ رجب خاموش بیٹھا رانی کو یاد کر رہا تھا۔ مریم باورچی خانے میں اپنے لئے روٹی بنا رہی تھی۔ اداس سی بے دلی کے ساتھ۔

سہ گوش
(از زین علی)

کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"آجاؤ پائی۔"(اندر آجائیں)رجب نے بیٹھے بیٹھے ہی آواز لگائی۔

صبح سے گاؤں کے کئی مرد اور عورتیں انکے گھر افسوس کرنے آچکے تھے۔

لوگ افسوس ہی کر سکتے تھے۔ غم کا بوجھ انہیں ہی برداشت کرنا تھا۔

دروازہ کھلا اور فلک اور مٹیار گل اندر داخل ہوئے۔

سلمہ چارپائی سے فوراً اتری اور فلک کی طرف لپکی۔

"انسپکٹر۔۔۔رانی کی لاش دے دو ہمیں۔۔۔میری بچی دے دو۔"قریب آتے ہی وہ رونے لگی۔"اسکا قاتل پکڑا گیا کیا؟میری بچی کہاں ہے؟"وہ بے چاری غمگیں لہجے میں بول رہی تھی۔"میری بچی دے دو ہمیں۔"

رجب نے سلمہ کو پکڑ کر واپس چارپائی پہ بٹھایا۔ سلمہ کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ایک ہی دن میں وہ سالوں کی بیمار لگ رہی تھی۔

جوان اولاد کی لاش دیکھنا کوئی آسان کام تھوڑی نا ہے۔ اپنے جگر کے ٹکرے کو خود کاٹ کر پھینکنے کے برابر ہے۔

"رانی کی لاش شام تک آپکے حوالے کر دی جائے گی۔ بہت جلد قاتل بھی پکڑا جائے گا۔ ایک اہم سراغ ہاتھ لگا ہے۔" فلک حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔ "آپ کو ہم پر یقین رکھنا ہو گا۔ ہم رانی کے قاتل کو پکڑ لیں گیں۔"

رجب نے فلک کے آگے کرسی بچھائی، بیٹھنے کیلئے۔

"مجھے مریم سے بات کرنی ہے۔ کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

مٹیار گل پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"مریم!" رجب نے آواز لگائی۔

سلمہ بنا آواز مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔اسکی آنکھیں اندر سے سرخ کو چکی تھیں اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے سے بن گئے تھے۔

"جی ابو۔۔۔" مریم انسپکٹر کو دیکھتے ہی خاموش ہو گئی۔

"پتر مریم۔۔۔صاب جو پوچھتے ہیں دس (بتاؤ) انکو۔" رجب بولا۔ "بیٹھ جاؤ ادھر۔" چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔

"برا نا مانے تو میں مریم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" فلک بولا۔

رجب نے ایک نظر سلمہ کو دیکھا۔"سلمہ چل اندر کمرے میں۔ تھوڑا آرام کر لے۔کل سے سوئی نہیں تو۔"

رجب اور سلمہ ساتھ ساتھ چلتے اندر چلے گئے۔

"جو بھی جانتی ہو آپ بتا دینا۔سچ اور پوری بات۔" میٹار گل بولا تھا۔

"رانی کی کسی سے کوئی لڑائی، کوئی جھگڑا تھا؟" فلک نے پوچھا۔ "یا کوئی نوک جھونک۔"

فلک کا لہجہ نرم تھا۔

"جہاں تک مجھے پتا ہے، باجی کی کسی کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں تھی۔ اور اس طرح کی لڑائی کہ بات اس حد تک پہنچ جائے۔" مریم نے نفی میں سر ہلایا۔ "رانی باجی کی کسی کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں تھی۔" مریم ہولے ہولے بول رہی تھی۔

"پوچھنا تو نہیں چاہتا۔۔۔ اس کا کسی لڑکے سے کوئی تعلق تھا۔۔۔ مطلب دوستی۔۔۔" فلک رکتے رکتے دھیرے سے بولا تھا۔

مریم کبھی فلک کو دیکھنے لگتی کبھی پیچھے کھڑے مٹیار گل کو۔

"جی۔۔۔وہ اور ہمارے پڑوس والا احسان دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔لیکن اس بات کا ان دونوں کے علاوہ بس مجھے ہی پتا تھا۔" وہ رکی فلک کو دیکھا پھر بولی۔ "چند دن پہلے باجی اور اسکی بحث ہوئی تھی۔"

"ہوں۔۔۔جناب اس احسان کو پکڑوں کیا۔" مٹیار گل بے صبری سے بولا۔

"رک جاؤ مٹیار ابھی۔۔۔مریم تم آگے بتاؤ۔" فلک نے ہاتھ کے اشارے سے مٹیار گل کو روکا۔

"میں اور باجی دوپہر کے وقت گھر آرہے تھے۔احسان نے باجی کو روکا۔میں تھوڑا آگے نکل آئی تھی گلی میں۔جب تھوڑا آگے آئی تو ان دونوں کی آوازیں آرہی تھیں۔دونوں غصے میں تھے۔لگ رہا تھا بحث ہو رہی ہے۔" وقفہ۔ "جب باجی بات ختم کرکے میرے قریب آئی۔میں نے بحث کی وجہ پوچھی تو باجی غصے میں مجھ سے آگے چلنے لگی۔"

"کتنے وقت سے چل رہا تھا یہ سب۔"

"مجھے چھ ماہ پہلے پتا چلا تھا اس بارے میں۔" وہ یاد کرتے ہوئے بولی۔

"اور کچھ جو ہمیں پتا ہونا چاہیئے۔" فلک نے کہا۔ "کوئی اور بات۔"

"نہیں۔۔۔ کچھ یاد آیا تو بتادوں گی۔ آپ پلیز امی ابو کو اس بارے میں کچھ مت بتایئے گا۔"

فلک اسکی بات سمجھ چکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ چلو مٹیار گل۔" فلک نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "احسان سے بھی ایک ملاقات ہو ہی جائے اب۔"

---☆☆☆---

"باہر آو۔" کاشف کار کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا تھا۔

چند منٹوں بعد گیٹ کھلا اور ہیل پہنے نزاکت سے چلتی ہوئی روبی دکھائی دی۔ وہ کار کے قریب پہنچی اور دروازہ کھول کر سامنے والی سیٹ پہ بیٹھ گئی۔

"کیسے ہو کاشف۔ تم کیا یہ ہر وقت ہیرو بنے گھومتے رہتے ہو۔" روبی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ نیلی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ شرٹ پہ ننھا سا "آئی مس یو" لکھا ہوا تھا۔

اسکی گندمی رنگت روبی کو بہت پسند تھی۔ اسکی کالی گہری آنکھیں تھی اور مڑی ہوئی پلکیں تھیں۔ کاشف صحت کے معاملے میں کافی حساس تھا۔ اسکا کثرت شدہ جسم کسی کو بھی اسکی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔ وہ سچ میں ہیرو لگتا تھا۔

"بنتا نہیں۔۔۔ میں ہوں ہی ہیرو۔"

"چلو چلو گاڑی چلاؤ۔ زیادہ بنو نہیں۔" روبی ہنستے ہوئے بولی۔

روبی آنکھوں پر تیز اور شوخ قسم کا میک اپ کر کے آئی تھی۔ وہ بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس نے گہرے سبز رنگ کا کترا اور ہم رنگ پینٹ پہنی ہوئی تھی۔ دوپٹے کے نام پر اس نے چھوٹا سا سٹالر گلے میں ڈالا ہوا تھا۔

اسکے گلے میں ایک چاندی کی ننھی سی چین جگمگا رہی تھی۔ جس پر چھوٹا سا انگریزی حرف K لکھا ہوا تھا۔

"پیاری لگ رہی ہو ویسے تم۔" کاشف نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" روبی مغلیہ انداز میں آداب کرتے ہوئے بولی تھی۔ "آپ کی ذرا نوازی ہے یہ تو ورنہ ہم کہاں کے خوبصورت ہیں۔"

"ڈرامے باز۔۔۔" کاشف اسکی اداکاری دیکھ کر بڑبڑایا تھا۔

---☆☆☆---

"تیار ہو صلومی۔" کمیل سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اس نے گہرے بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔

وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔

دوپہر ہو چکی تھی اور سورج کی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

صلومی درخت کے پاس کھڑی مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جی تیار ہوں۔" اس نے کندھے پہ ننھا سا سیاہ بیگ لٹکایا ہوا تھا۔ گرے رنگ کی فراک پہنے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں چھاتہ پکڑا ہوا تھا۔

بارش کبھی بھی ہو سکتی ہے، اس لئے چھاتہ ضروری ہے۔ یہ چچی کا کہنا تھا۔

"چلو پھر چلتے ہیں۔" وہ اتر کر اسکے قریب آچکا تھا۔ "چچی کو بتادیا۔"

"جی بتادیا ہے۔"

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے دروازہ کھول کر باہر گلی میں نکل آئے۔

"فارغ وقت میں کیا کرتی ہو۔" وہ قد میں اس سے کافی اونچا تھا۔

"ناول اور ڈرامے۔۔۔ بس یہی ہیں مشغلے میرے۔ اور آپ۔۔۔ آپ کیا کرتے ہیں۔ میرا مطلب آپکی کیا دلچسپیاں ہیں۔" وہ بھی بنا پوچھے رہ نہ سکی۔

کمیل اس سے ایک قدم آگے تھا۔وہ تیز قدموں سے چلتا تھا لیکن صلومی کیلئے سست رفتاری سے چل رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔اچھا تو میں۔۔۔مجھے پینٹنگ کا شوق ہے۔کتابوں کا،گانوں اور فلموں کا۔لکھ بھی لیتا ہوں کبھی کبھار۔مطلب جو دل میں آئے کبھی۔"

"کیسے لکھ لیتے ہیں آپ۔"

"تمہیں پتا ہے کوئی بھی لکھ سکتا ہے۔کیونکہ ہر دیکھنے اور سننے والا انسان بہت دیکھتا اور سنتا ہے۔کئی کہانیاں کئی قصے۔تو دل میں جو آتا ہے،وہ درحقیقت ایسے ہی نہیں آجاتا۔وہ ہماری اپنی کہانیوں سے،ہماری زندگیوں سے آتا ہے۔بس لکھنے کا طریقہ آ جانا چاہیئے۔"وہ سمجھاتے ہوئے بولا۔"اسی طرح جو احساسات دل میں نئے پیدا ہوتے ہیں وہ میں لفظوں میں اتارنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"اچھا۔۔۔مجھے نہیں پتا تھا آپ اتنے سمجھدار ہیں۔اچھا چھوڑیں رکشہ پہ جانا ہے یا بس میں۔"

وہ دونوں چلتے چلتے سڑک تک پہنچنے والے تھے۔

"میرا ایک دوست آرہا ہے لینے۔"

"او۔۔۔" وہ ہولے سے بولی۔

لو جی اب یہ دوست کہاں سے آگیا۔ صلومی نے سوچا۔

---☆☆☆---

"ہم شاید غلط راستے پر ہیں۔" روبی نے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں یہ راستہ بلکل ٹھیک ہے۔ ہمیں میرے دوست اور اسکی کزن کو پک کرنا ہے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ چل رہے ہیں۔"

وہ سامنے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"اور یہ تم ابھی بتا رہے ہو۔ واہ ساری ڈیٹ کا خانہ خراب کر دیا۔" وہ ناراضگی سے بولی۔ "کیا یار پہلے بتا دیتے، میں اتنا تیار ہو کر نہ آتی۔"

"کون سی ڈیٹ میڈم۔۔۔ ہم دونوں کب سے ڈیٹ کرنے لگے۔ کزن ہو، کزن بن کر رہو۔" کاشف ڈانٹنے کے انداز میں بولا۔ "انکے سامنے ایسی ویسی کوئی بھی بات مت کرنا۔"

"ہاں ٹھیک ہے نہیں کرتی۔" وہ منہ بنا کر باہر دیکھنے لگی۔

کار مناسب رفتار سے چلتی ہوئی رستم گلی کے باہر پہنچ چکی تھی۔ کاشف باہر نکلا اور آس پاس دیکھنے لگا۔

گلی سے کمیل اور ایک لڑکی ساتھ ساتھ نکل رہے تھے۔

"کمیل۔۔۔ ادھر ہیں ہم۔" کاشف کار کے پاس کھڑا ہاتھ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

"یہ ہے آپکا دوست۔" صلومی نے پوچھا۔

"ہاں یہ ہمیں بازار تک چھوڑ دے گا۔اور مجھے کچھ اہم بات بھی کرنی تھی اس سے۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔ "یہ میرا بہت اچھا اور پرانا دوست ہے۔"

دونوں تیزی سے چلتے ہوئے کار کے پاس پہنچ چکے تھے۔

"ہیلو کمیل۔" کاشف نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

ہیلو۔۔۔یہ میری کزن ہے صلومی۔۔۔صلومی اس سے ملو میرا بیسٹ فرینڈ کاشف۔"

کمیل نے رسماً سا تعارف کروایا۔

"اسلام علیکم۔" صلومی نے سلام کیا۔

"وعلیکم اسلام۔کیسی ہیں آپ۔"

روبی بھی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"ہائے۔۔۔میں روبی ہوں۔"روبی نے صلومی سے ہاتھ ملایا۔

"میں صلومی ہوں۔"وہ مسکرائی۔(ساتھ یہ لڑکی بھی آئی ہے۔شکر ہے!)

"روبی تم صلومی کے ساتھ پیچھے بیٹھ جاؤ۔"کاشف نے کار میں گھستے ہوئے کہا۔
"کمیل آجاؤ یار۔"

چاروں کار میں بیٹھ گئے۔گاڑی زن کرتی ہوئی روڈ پہ بھاگنے لگی۔

"کہاں تھے اتنے دن۔"کاشف بولا۔"کوئی رابطہ نہیں۔۔۔کہاں گم ہو۔"

"کہیں نہیں۔میں کچھ ہفتوں کیلئے یہاں اپنے چچا کے گھر رہنے آیا ہوں۔"کمیل نے بتایا۔"بس آج سوچا تم سے مل لوں۔اسی بہانے ہمیں لفٹ بھی مل جاتی۔"

دونوں باتیں کرنے لگے۔

پچھلی سیٹ پہ بیٹھی صلومی شیشہ نیچے کئے باہر دیکھ رہی تھی۔

"تم کیا کرتی ہو۔کالج میں ہو یا یونی میں۔"ساتھ بیٹھی روبی زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکی۔

آخر وہ روبی تھی۔اپنی ہم عمر لڑکی کو دیکھ کر کیسے چپ رہ سکتی تھی۔

"میری ہوم اسکولنگ ہوئی ہے۔"صلومی نے سکون سے بتایا۔

"او۔۔۔مزا آتا ہوگا پھر تو۔"

صلومی نے اس شوخ لڑکی کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

"ہاں اچھا لگتا ہے گھر میں پڑھنا۔"صلومی بولی۔"مجھے کالج جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

"اور تمہیں کیا کرنا پسند ہے؟"روبی نے اگلا سوال کیا۔

"زیادہ تر کتابیں پڑھنے میں ہی مصروف رہتی ہوں۔یا گھر کا کام ہوتا ہے۔"

روبی مسکرا دی۔اسے ایک اور دوست مل گئی تھی۔

روبی کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ وہ ہر کسی کو اپنا دوست بنا لیتی تھی۔

---☆☆☆---

تنزیلہ سنگھار میز کے سامنے کرسی پہ بیٹھی تھی۔مرید صاحب کب کے آفس جا چکے تھے۔وہ آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔گوری رنگت اور سیاہ بال۔اپنا عکس دیکھتی ہوئی وہ پرانی یادوں میں کھو گئی۔آئینے پہ دھند سی چھا گئی۔

وہ اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔یہ اسکا پرانا کمرہ تھا۔یہ آج سے ڈیڑھ سال پہلے والی تنزیلہ تھی۔خوش اور زندہ دل۔

لیکن وقت نے سب بدل سا دیا تھا۔خیر آتے ہیں کہانی کی طرف۔

"کہاں جانے کی تیاری ہے۔"امی دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔

"سہیلی کی طرف۔۔۔"اس نے ماں کو دیکھے بغیر جواب دیا۔

امی اسکی بات پوری ہونے سے پہلے ہی مڑیں اور نیچے چلی گئیں۔ وہ اوپر کسی کام سے آئیں تھیں اور اچانک چولہے پہ رکھی سبزی یاد آگئی تو فوراً نیچے بھاگیں۔

"سہیلی کی طرف۔۔۔ نہیں جارہی۔ ساغر کو ملنے جارہی ہوں۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔

وہ تیار ہو کر نیچے آئی اور امی کو بتا کر گھر سے نکل آئی۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کی قمیض اور چُوری دار پہنا ہوا تھا۔ سر پہ ہم رنگ دوپٹہ تھا اور پیروں میں سیاہ فینسی چپل پہنی ہوئی تھی۔

"کہاں کو۔۔۔" ایک مردانہ آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ مڑی تو ایک لڑکا موٹر سائیکل اس کے پیچھے پیچھے چلا رہا تھا۔ وہ رکی، آس پاس دیکھا اور لپک کر اسکے پیچھے سوار ہو گئی۔

بے شرم کہیں کی۔ محلے والا کوئی دیکھتا تو ایسا ہی کہتا۔

"ساغر کتنی بار کہا ہے مجھے گلی کے باہر لینے آیا کرو۔ کسی نے دیکھ لیا ناہڈیاں توڑ دے دیں گیں تمہاری اور میری ذلالت جو ہو گی وہ الگ۔" وہ اسے ہر بار کہی باتیں پھر سے سنا رہی تھی۔ "ابا گھر نہیں تھے ورنہ۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ دیکھے گا کوئی۔۔۔ دیکھتا رہے۔" وہ بے پرواانداز میں بولا۔ "مجھے نہیں فرق پڑتا۔"

ساغر میں شروع سے ہی یہ بے باکی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ میں لڑنے نہیں آئی۔ کچھ بات کرنی ہے۔"

"کہاں جانا ہے بتاؤ۔" ساغر بولا۔ "جلدی بتاؤ پیٹرول نہیں ہے گاڑی میں زیادہ۔"

"نیو ٹاؤن چلو۔"

پانچ منٹ بعد وہ نیوٹاؤن میں بنی ایک خوبصورت پارک جسکا نام نیوٹاؤن پارک تھا، میں بیٹھے تھے۔ہاں پارک کا نام بھی ٹاؤن کے نام پہ رکھا گیا تھا۔نیلے آسمان پہ سفید بادل تیر رہے تھے۔

پارک میں ہر طرف خوبصورت پھول اور پودے تھے۔اور اونچے لمبے سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے۔

"کیا بات کرنی ہے۔"ساغر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔وہ مزے سے بوتل پی رہی تھی۔

"امی میرا رشتہ کرنے کا سوچ رہی ہیں۔تم رشتہ لے کر آؤ۔"وہ بولی۔"یہ نہ ہو تم سے پہلے کہیں اور طے ہو جائے میری شادی۔اور یاد رکھنا میں دوسرے کسی رشتے کو انکار بھی نہیں کروں گی۔"

"کیوں۔۔۔کیوں۔۔۔تم کسی سے بھی شادی کرلو گی۔محبت نہیں کرتی مجھ سے۔"وہ خفا سا بولا۔

"محبت تو میں۔۔۔ نہیں کرتی۔" وہ شوخی سے ہنسنے لگی۔

"سنو۔۔۔" ساغر سنجیدگی سے بولا۔ "کچھ عرصے کیلئے اپنی امی ابا کو روکے رکھو۔ چند ماہ تک میں امی سے میرے اور تمہارے رشتے کی بات کروں۔"

اچانک بارش ہونے لگی۔ طوفانی بارش۔ ہر طرف دھند سی چھانے لگی۔

خواب جیسا ٹوٹا تھا۔

تنزیلہ کا آئینہ شفاف ہونے لگا۔ دھند ہٹنے لگی۔ وہ ماضی سے واپس اپنے حال میں آ چکی تھی۔ وہ اپنے اور اپنے شوہر مرید کے مشترکہ کمرے میں بیٹھی تھی۔

"ساغر۔۔۔ کاش تم بھاگے نہ ہوتے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھی اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

ساغر ماضی تھا اور حال اسکے لئے زیادہ اہم تھا۔

---☆☆☆---

انکی گاڑی بازار پہنچ چکی تھی۔

"بہت اچھا لگا تم سے بات کر کے۔" روبی بولی۔

راستے میں صلومی نے روبی کو اپنی ہوم اسکولنگ اور روبی نے اسے اپنے کالج کے بارے میں بتایا تھا۔ آگے بیٹھے کاشف اور کمیل بھی باتیں کرتے ہوئے آئے تھے۔

چاروں کار سے باہر نکلے۔

"تم لوگ کہاں جاؤ گے اب۔" کاشف نے پوچھا۔ چاروں دائرے کی شکل میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"کپڑے اور جوتے خریدنے۔" کمیل بولا۔ "پھر اردو بازار اور اسکے بعد کھانا کھائیں گیں۔ اور تم لوگوں کا کیا منصوبہ ہے۔"

"ہم دونوں کھانا کھانے رستوران جا رہے ہیں۔" کاشف نے بتایا۔

"صلومی۔۔۔تم مجھے اپنا نمبر دو۔" روبی بیگ سے موبائل نکالتے ہوئے بولی۔

"کال پہ بات ہو جایا کرے گی۔"

"سوری روبی، میرے پاس موبائل نہیں ہے۔" صلومی نے بتایا۔

"ہیں۔۔۔فون نہیں ہے۔ اچھا چلو گھر کا ہی نمبر لکھ دو۔" روبی حیران تھی۔ "آج کل تو ہر کسی کے پاس موبائل فون ہے۔ بھلا تم کس زمانے میں رہتی ہو۔"

صلومی نے امی کا نمبر اسے لکھوا دیا۔

"چلو پھر ملتے ہیں کسی دن۔" کمیل نے کاشف سے ہاتھ ملایا۔

روبی جوش سے صلومی کے گلے لگی۔ "پھر ملتے ہیں۔"

"ہاں ملتے ہیں۔" صلومی نے ہولے سے کہا۔

کاشف اور روبی گاڑی میں بیٹھے اور کار نکال کر وہاں سے نکل گئے۔

"بہت بولتی ہے روبی۔" صلومی ہنسی۔

"ہوں، چلیں! وقت پہ واپس بھی پہنچنا ہے۔"

وہ دونوں شہر کے سب سے بڑے اور مصروف بازار میں گھس گئے۔ کمیل دائیں بائیں ہر دکان دیکھ رہا تھا۔ پیچھے چلتی صلومی صرف کھانے پینے کی چیزیں دیکھ رہی تھی۔

وہ کھانے کی شوقین تھی۔

کمیل اسکے آگے آگے تھا اور وہ دو قدم پیچھے ہولے ہولے چل رہی تھی۔

---☆☆☆---

بازار کے اس شور سے دور روشن ٹاؤن میں اس وقت پر سکون ماحول تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور موسم بھی خوشگوار تھا۔

"سب سے پہلے تو یہ کہ میں آج ملنے نہیں آسکوں گی اور دوسری بار تمہارا جب جب دل کرے میں تب تب ملنے نہیں آسکتی۔ میں ملوں گی جب میرا دل ہو گا۔ تم نا میری بات سنا کرو۔" میرب حقارت سے بولی۔ "بائے۔"

دوسری طرف علی اپنے ہوسٹل کے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھا اسکی باتیں سن رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ مایوسی تھی۔

"ٹھیک ہے نہیں ملنا مت ملو۔ جان چھوڑو میری! اللہ حافظ۔" وہ غصے سے بولا اور کال کاٹ دی۔ (مغرور لڑکی)

وہ چھلانگ مار کر بیڈ سے اترا اور شیشے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"مغرور کہیں کی۔۔۔ سمجھتی کیا ہے خود کو۔" وہ خود کو شیشے میں دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

ایک اور لڑائی۔ ایک بار پھر ناراضگی۔

ہم جن سے محبت کرتے ہیں،ان سے صرف لڑ ہی سکتے ہیں انہیں چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

واپس میرب کے کمرے میں آئیں تو میرب خفا سی بیٹھی تھی۔دفعتاً دروازے پہ دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔" وہ نرم لیکن سپاٹ لہجے میں بولی۔

دروازہ کھلا اور تنزیلہ اندر داخل ہوئی۔میرب کے ماتھے پہ چند لکیریں ابھری۔یہ کیوں آئی ہے۔

"مجھے بات کرنی ہے۔" تنزیلہ چلتی ہوئی بیڈ کے سامنے کھڑکی والی دیوار کی طرف لگے صوفے پہ تک آئی۔"بیٹھ سکتی ہوں۔" پھر جواب سنے بغیر بیٹھ گئی۔

"مجھے کچھ بات کرنی ہے میرب۔" تنزیلہ نرم لہجے میں بولی تھی۔

اسے امید تھی کہ میرب بھی پیار اور نرمی سے بات کرے گی۔

"تم میری ماں ہو نہ میری دوست۔" میرب طنزیہ بولی۔ "تم بس میرے باپ کی بیوی ہو۔ وہ بیوی جو میرے باپ کا پیسہ اڑانے کے علاوہ میری زندگی میں دخل اندازی کرتی ہے۔"

تنزیلہ نے حیرت سے میرب کو دیکھا۔ کیا یہ ہر وقت لڑائی کے موڈ میں ہی ہوتی ہے؟

"مجھے بھی شوق نہیں ہے تم سے بات کرنے کا۔ میں صرف مرید کے کہنے پہ بات کرنے آئی تھی۔ خیر وہ خود کرلیں بات۔" وہ صوفے سے اٹھی۔ "چلتی ہوں۔"

تنزیلہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میرب کا موڈ مزید خراب ہو چکا تھا۔

پر سکون ماحول کا کیا فائدہ جب دل اور دماغ میں شور ہو۔

---☆☆☆---

کمیل اور صلومی ساتھ ساتھ چلتے ایک دکان کے سامنے رکے۔ کمیل نے شاپنگ بیگز پکڑ رکھے تھے۔ وہ جوتوں کی کافی پرانی دکان تھی۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے ریڈیو پہ معروف گلوکارہ نیرہ نور کا گانا "کہاں ہو تم" بجنے لگا۔

کہاں ہو تم چلے آو

محبت کا تقاضا ہے

وہ دونوں اندر آکر ساتھ ساتھ لمبے سے بینچ پہ بیٹھ گئے۔ آس پاس اور بھی لوگ بیٹھے جوتے پسند کر رہے تھے۔ دیکھنے میں یہ بازار کی سب سے پرانی دکان لگتی تھی لیکن شاید بہت مشہور تھی، اسی لئے بہت رش تھا۔

"آپ پہلے کبھی اس شاپ پہ آئے ہیں۔" صلومی بولی۔ "یہاں بہت اچھے جوتے نظر آرہے ہیں۔"

"میں ہمیشہ فٹ ویئر یہیں سے لیتا ہوں۔" کمیل نے بتایا۔

"کمیل بھائی آپ۔۔۔آپکے جوتے تیار ہیں۔" دکاندار نے کمیل کو دیکھتے ہی گرمجوشی سے کہا۔

صلومی نے ایک نظر کمیل کو دیکھا۔ تو یہ واقعی یہاں سے جوتے خریدتا ہے۔

غمِ دنیا سے گھبرا کر

تمہیں دل نے پکارا ہے

اس مصروف دکان سے دور میرب کے کمرے میں آئیں تو وہ میرب صوفے پہ بیٹھی دکھائی دے گی۔ اسکا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔

اسکی آنکھوں میں نمی تھی۔

"یہ۔۔۔یہ تنزیلہ بی بی سمجھتی کیا ہے خود کو۔۔۔میری ماں نہیں وہ۔" وہ غصے سے چیخی۔ "اور یہ بے حس علی۔۔۔اسے میری پرواہی نہیں۔ دوسرا فون تک نہیں کیا۔"

اس نے بے قابو ہوتے غصے میں اپنا موبائل پکڑا اور فرش پہ دے مارا۔ چھن کی آواز آئی، فون کی سکرین ٹوٹ کر فرش پر بکھر گئی۔

اس نے گلا پھاڑ چیخ ماری تھی جو پورے کمرے میں گونجی تھی۔

وہ غصے میں ایسا ہی کرتی تھی۔ چیزیں توڑ دیتی تھی۔ لیکن وہ پہلے ایسی تو نہ تھی۔ وقت نے اسے بدل دیا تھا۔

وقت سب بدل دیتا ہے۔

اسی گھر کے ایک دوسرے کمرے میں آئیں تو تنزیلہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنا چہرہ دیکھتی نظر آئے گی۔

"میں جتنی بھی کوشش کر لوں اس سے بات کرنے کی۔۔۔ یہ لڑکی سنتی ہی نہیں۔ مغرور!"

تنزیلہ اکتا گئی تھی اس روز روز کے ڈرامے سے۔

وہ اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی لیکن اسکا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

"میں میرب کے ساتھ کبھی ایک پیار بھرا رشتہ نہیں بنا سکوں گی۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔ "کاش ساغر تم اُس وقت یہاں اس شہر میں ہوتے۔"

اسکی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

یہ وقت کا کھیل تھا۔ وہ ساغر سے شادی کرنا چاہتی تھی لیکن وقت نے ایسا کھیل کھیلا کہ اسے خود سے ڈبل عمر والے شخص سے شادی کرنا پڑ گئی۔ جس کی بیٹی اس سے چند برس ہی چھوٹی ہے اور حد درجہ مغرور اور بدتمیز ہے۔

تمہاری بے رخی اک دن

ہماری جان لے لے گی

کاشف اور روبی آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ وہ صلومی اور کمیل کو چھوڑ کر رستوران آ گئے تھے۔

یہ شہر کا سب سے مہنگا رستوران، یہ جانم رستوران تھا۔

"تمہیں محبت نہیں مجھ سے۔" روبی مسکراتی ہوئی بولی۔ "سچ سچ بتایا۔"

سامنے میز پر مختلف اقسام کے کھانے سجے ہوئے تھے۔

وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز کے درمیان ایک گلدان تھا جس میں سفید گلاب رکھے ہوئے تھے۔

تازہ سفید گلاب۔

"اوہیلو۔۔۔کزنوں سے کون محبت کرتا ہے۔اور شرم کرو کیسی باتیں کر رہی ہو۔" کاشف مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔ "جلدی کھاؤ۔"

کاشف نے شرارتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تو پھر ہر وقت میرے آگے پیچھے کیوں گھومتے ہو۔" وہ خفا ہوئی۔

"چلتا پھرتا نمونہ ہو تم۔ میوزیم پیس۔" وہ شوخی سے ہنسا تھا۔ "نمونے کو دیکھنے آتا ہوں۔"

روبی خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔ (ڈرامے باز کہیں کا۔)

وہ اسے یوں منہ بنا کر کھان کھاتے دیکھ دل ہی دل بہت خوش ہوا تھا۔ (لڑکی تو دیوانی ہے)

پس منظر میں پیانو بجنے لگا۔ پیانو رستوران کا میوزیشن بجا رہا تھا۔

قسم تم کو ذرا سوچو

کہ دستور وفا کیا ہے

اس رستوران سے دور بوائز ہوسٹل آئیں تو علی کے کمرے میں خاموشی چھائی تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ چہرے پہ اداسی اور غم تھا۔

"اس کی کتنی ہی فکر کیوں نہ کرلو، کتنی ہی محبت کرلو۔ یہ لڑکی مغرور ہی رہے گی۔ کبھی کسی دوسرے کا نہیں سوچے گی۔ اتنی محبت کرتا ہوں لیکن بدلے میں صرف اسکا غصہ اور غرور ہی نظر آتا ہے۔" وہ اداس سا بڑبڑایا تھا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جن سے محبت کرتے ہیں وہ ہماری قدر تک نہیں کرتے اور یہ بات بہت تکلیف دیتی ہے۔

وہ باہر دیکھ رہا تھا لیکن وہ سوچوں میں گم تھا۔ "کاش اس لڑکی کو کچھ عقل آجائے۔" وہ بڑبڑایا۔

ہم کسی کو ہزار کوششوں کے بعد بھی بدل نہیں سکتے۔ کسی کو بدلنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

نا جانے کس لئے دنیا

کی نظریں پھِر گئی ہم سے

"رانی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کل شام تک مل جائے گی جناب۔" مٹیار گل بولا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے جناب کس نے قتل کیا ہو گا اسے۔"

فلک اور مٹیار گل دونوں گلی سے نکل رہے تھے۔انکا رخ احسان کے کھیتوں کی طرف تھا۔

"کوئی بھی ہو سکتا ہے گل۔۔۔اس سے محبت کرنے والا احسان کر سکتا ہے۔۔۔چودھری کا نوکر کر سکتا ہے۔۔۔جب کوئی قتل ہوتا ہے تو اس میں کوئی ایک شامل نہیں ہوتا۔ قاتل ہمیشہ کسی وجہ سے قتل کرتا ہے۔وجہ اچھی ہو بری وہ الگ بات ہے لیکن ہر صورت میں قتل گناہ ہے اور قانونی جرم بھی۔" فلک بول رہا تھا۔"ہو سکتا ہے ہمیں جن پر شک ہے ان میں سے کوئی بھی قاتل نہ ہو۔ہو سکتا ہے نوری کا بیان غلط ہو۔"

فلک اور اسکا فلسفہ۔

مٹیار گل سر ہلانے لگا۔جیسے فلک کی بات سمجھ گیا ہو۔

"کوئی بھی ہو سکتا ہے گل۔"

تمہیں سوچا تمہیں چاہا

قصور اسکے سوا کیا ہے

گھنگریالے بالوں لڑکا والا نیو ٹاؤن پارک کے ایک بینچ پہ بیٹھا گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔"اسکی سماعتوں سے ایک لڑکی کی آواز ٹکرائی۔

اس نے سر اٹھایا۔ سامنے خوبصورت آنکھوں والی لڑکی کھڑی تھی۔ لمبے بالوں اور سفید رنگت والی وہ لڑکی محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم آگئی۔"وہ اسے دیکھ کر خوش ہوا تھا۔"میں تمہارا انتظار کرتے کرتے تمہیں ہی سوچ رہا تھا۔"

"اچھا چلو چائے پینے چلیں۔"وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

وہ اٹھااور دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پارک سے باہر نکل گئے۔

وہ کافی دن بعد اس سے ملنے آئی تھی۔

کہاں ہو تم چلے آو

محبت کا تقاضا ہے

شہر کے مصروف بازوں سے ہوتے ہوئے رستم گلی آئیں تو ساغر ہمیں چائے کی دکان پر بیٹھا ملے گا۔

اسکے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھااور دوسرے ہاتھ میں ایک پرانا اخبار۔

وہ بوریت دور کرنے کیلیئے پرانے اخبار کی پرانی باسی خبریں پڑھ رہا تھا۔

دور گلی میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔

"ساغر۔۔۔" اسے یوں لگا کسی نے اسے آواز لگائی ہے۔

اس نے چہرہ اٹھا کر آس پاس دیکھا۔

تنزیلہ اسکی طرف آ رہی تھی۔

یا شاید یہ وہم تھا۔اس نے پلکیں جھکائیں۔ تنزیلہ وہاں نہ تھا۔

"کہا تھا نا اسکی زندگی میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔" دل کی آواز سے وہ حقیقت میں لوٹا تھا۔

یہ دل ہمیں وقتاً فوقتاً حقیقت کا احساس دلاتا ہی رہتا ہے۔

---☆☆☆---

"یہ چپل کتنی پیاری ہے۔" صلومی کے ہاتھ میں نیلی چپل تھی۔ "اسکا رنگ بھی کتنا خوبصورت ہے۔"

اب وہ چپل کو پہن رہی تھی اور کمیل اسے دیکھ رہا تھا۔

یہ لمحہ، اسے چپل پہنتے دیکھنا۔ کچھ خاص تھا اس لمحے میں۔

جب سے وہ چچا قمر کے گھر رہنے آیا تھا۔ کچھ تو الگ ہو رہا تھا۔ دل کبھی کبھی تیز دھڑکنے لگتا تھا۔

"خرید لیتے ہیں اگر اچھی لگی ہے تو۔" وہ بولا۔ "میری طرف سے تحفہ سمجھ لینا۔"

"میں گفٹس نہیں لیتی۔ آپ کی خریداری ہو گئی تو چلیں۔" صلومی نے چپل اتارتے ہوئے کہا۔

کمیل نے اسے غور سے دیکھا۔

"تم چلو میں پے منٹ کر کے آتا ہوں۔" وہ دھیرے سے بولا۔ "باہر انتظار کرنا۔"

وہ اٹھی اور دکان سے نکل گئی۔

کمیل نے دکاندار کو اشارہ کیا۔ "یار یہ نیلی چپل بھی ڈبے میں ڈال دو۔" کمیل نے مسکراتے ہوئے دکاندار کو کہا۔

وہ باہر نکلا تو وہ سامنے کھڑی تھی۔اس نے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"یہ لوگ فٹ وئیر ہاتھ سے بناتے ہیں۔انہیں میرا سائز معلوم ہے۔میں آنے سے پہلے بتادیتا ہوں۔یہ میرے سائز کے جوتے بنادیتے ہیں۔ایک چپل دوسرے سے نہیں ملتی۔ایک جیسی ایک ہی بناتے ہیں۔تمہیں جو نیلی چپل پسند آئی تھی۔۔۔ایسا لگتا ہے وہ تمہارے لئے ہی بنائی گئی تھی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہم نے انکو آرڈر نہیں دیا۔۔۔اتفاق!ایسے اتفاق کبھی کبھی ہوتے ہیں۔"وہ بتارہا تھا۔"اور وہ چپل تمہارے پیر میں بہت اچھی بھی لگ رہی تھی۔"

آس پاس سے لوگ گزر رہے تھے۔

"ہوں۔"اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔"اب گول گپے کھانے چلیں۔"

بازار کا شور اف خدایا اوپر سے یہ بھوک۔اور یہاں کمیل صاحب جوتوں کی باتیں سنا رہے ہیں۔

"ہاں چلتے ہیں۔" وہ ہولے سے بولا۔

دونوں خاموشی سے چلنے لگے۔

---☆☆☆---

ساغر چائے پی کر گھر آچکا تھا۔

وہ بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا اور ایک کتاب نکال لی۔ وہ شاعری کی پرانی سی کتاب تھی۔ اس نے کتاب کھولی۔ پہلے صفحے پر کتاب کے عنوان کے نیچے "ٹو ساغر، لو تنزیلہ" لکھا تھا۔ وہ برف بنا کچھ دیر اسی سطر کو دیکھتا رہا۔ جب وہ کتاب واپس رکھنے کیلئے جھکا تو کتاب سے چند صفحے نکل کر نیچے زمین پر گرے۔

اس نے جھک کر صفحے پکڑے۔

وہ خط تھے۔ تنزیلہ کے خط۔ اس نے ایک خط کھولا۔

"ویسے تو اس زمانے میں کوئی خط نہیں لکھتا۔ ہمارے پاس ایک دوسرے کے نمبرز بھی ہیں لیکن ہر بار ملنے کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے یہ خط تمہیں دینا اچھا لگتا

ہے۔میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کتنا عجیب ہے نا یہ خط لکھنا۔آج کل کے زمانے میں، جہاں لوگ کالز اور میسجز پر بات کر لیتے ہیں، وہاں مجھے خط لکھنا اچھا لگتا ہے۔خیر میں کئی بار کہہ چکی ہوں کہ رشتہ بھیج دو اپنا میرے لئے لیکن تم میری بات ٹال دیتے ہو۔اس بارے میں سوچنا اور پھر جب ملے تو بتانا کیا سوچا ہے۔"

اس نے دوسرا خط کھولا۔

اسکی آنکھوں میں اداسی تھی۔

"یار ساغر میں آج زیادہ نہیں بیٹھ سکی۔مجھے گھر میں بہت کام تھے اور امی کو اس طرح جھوٹ بول کر تم سے ملنے آنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔اپنی امی سے بات کرو، میرے اور اپنے رشتے کی۔"

وہ کافی دیر بیٹھا پرانے خط پڑھتا رہا۔ہر خط، ہر لفظ میں تنزیلہ کی یادیں تھیں۔

"تم بھاگ گئے تھے۔وہ ساری زندگی تمہارا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔" یہ دل کی آواز تھی۔"وہ شادی شدہ ہے اب۔"

"تو کیا ہوا۔" وہ دل سے کہہ رہا تھا۔"شادیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔"

وہ جیسے دل کو امید دلا رہا تھا۔

"تمہاری ماں ایک تلاق یافتہ لڑکی کبھی قبول نہیں کرے گی۔" دل نے ٹوکا۔

"رک جاؤ۔۔۔اسکی زندگی میں اب تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

دل بے حسی سے حقیقت بتا رہا تھا۔

ہمارے دلوں کو حقیقت معلوم ہوتی ہے لیکن ہمارے دماغ اس بات کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔

"وقت بتائے گا۔" اس نے خود کو تسلی دی۔

ہم کسی کو دل سے نکال نہیں سکتے، ہم صرف انہیں دل میں چھپا سکتے ہیں۔

"ہاں وقت بتا دے گا کہ وہ تمہاری نہیں ہو سکتی۔" دل اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

دل کی آواز اکثر ہمیں سنائی دیتی ہے لیکن ہم اسے نظر انداز کر دیتے ہیں کیونکہ دل تلخ حقیقت بتاتا ہے جو کہ ہم سے برداشت نہیں ہو پاتی۔

---☆☆☆---

"ہم گول گپے کھانے کب جائے گیں۔" صلومی کب سے پوچھ رہی تھی۔

"وہیں جا رہے ہیں۔" کمیل بولا۔

"لیکن منا گول گپے والا اس طرف نہیں ہے۔" وہ رکی اور پیچھے اشارہ کیا۔ "اس طرف ہے۔"

بازار کا رش اس طرف زیادہ تھا۔ کہیں سے کپڑے والوں کی آوازیں آ رہیں تھیں تو کہیں سے جوتے والوں کی صدائیں۔

"تم نے گول گپے کھانے ہیں نا۔۔۔ تو چلو میں کھلاتا ہوں۔ میں بھی چاٹ کھالوں گا۔ وہ میں نے پتا کیا تھا منا گول گپے والا صفائی کا خیال نہیں رکھتا۔" کمیل نے اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا!" صلومی کو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا۔ "وہ تو بہت مزے کے بناتا ہے۔"

صلومی حیران سی ایک پل کیلئے وہیں ٹھہر گئی تھی لیکن کمیل کو چلتا دیکھ فوراً سے چلنے لگی۔

کمیل تیز رفتاری سے چلتا تھا جبکہ وہ آرام آرام سے چل رہی تھی۔

کمیل کے ہاتھ میں کافی زیادہ شاپنگ بیگز تھے جبکہ صلومی کے کندھے پر اسکا ننھا سا بیگ ہی لٹک رہا تھا۔

"میں نے یہ نہیں کہا کے مزے کے نہیں ہوتے۔ میں نے کہا وہ صفائی کا خیال نہیں رکھتا۔ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔"

صلومی خاموش ہو گئی۔ وہ چلتے ہوئے کمیل کی پسندیدہ جگہ پہ پہنچ چکے تھے۔

"یہ تو بہت فینسی جگہ ہے۔" صلومی بولی۔

"مجھے یہاں کی چاٹ بہت پسند ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اندر گھس گیا۔

وہ بھی اسکے پیچھے چل دی۔

یہ ایک بڑی سی دکان تھی۔ یہاں بہت ساری کرسیاں اور میز لگے ہوئے تھے جس پر بیٹھے لوگ مزے سے گول گپے اور دوسری اشیاء کھا پی رہے تھے۔

"چاچا۔۔۔ ایک بڑی پلیٹ گول گپوں کی اور ایک چھوٹا پیالہ چاٹ۔" کمیل نے آرڈر کیا۔

"جوس بھی منگوا لیں۔" صلومی بولی۔

کمیل نے جوس بھی منگوالیا۔

کچھ دیر بعد وہ مزے سے کھا رہے تھے۔ صلومی بھرے ہوئے گول گپوں کو کھٹے پانی کے ساتھ کھا رہی تھی جبکہ کمیل سکون سے چاٹ کھا رہا تھا۔

"تمہیں گول گپے بہت پسند ہیں۔۔۔ہے نا؟" کمیل بولا۔

"جی کبھی کبھی تو گھر سے نکلنا ہو پاتا ہے۔۔۔اس لئے جب بھی باہر آنے کا موقع ملتا ہے میں گول گپے ضرور کھاتی ہوں۔"

"اور کیا کیا پسند ہے تمہیں۔"

آس پاس بہت سارے لوگ بیٹھے خوش گپوں میں مصروف تھے۔ کوئی ہنس رہا تھا تو کوئی موبائل میں مصروف تھا۔

"مجھے بریانی بہت پسند ہے۔" صلومی نے گول گپے کو منہ میں رکھا۔

"اچھا۔۔۔اچھا۔۔۔" وہ ہولے سے بولا۔

وہ اسے کھاتا دیکھتا رہا اور وہ سکون سے کھاتی رہی۔

یہاں سے نکل کر وہ اُردو بازار کی طرف چلے آئے۔

یہ شہر کا سب سے بڑا اُردو بازار تھا۔

صلومی نے چند ڈائجسٹ خریدے اور جون ایلیا کی "لیکن" بھی خریدی۔

"جون ایلیا کی فین ہو؟" کمیل نے کتاب دیکھی تو پوچھنے لگا۔ "پسند کرتی ہو انکی شاعری؟"

"نہیں۔۔۔ بس ویسے ہی لے رہی ہوں۔ فین تو نہیں ہوں۔" صلومی نے بتایا۔

"میں اچھے کام کی فین ہوں۔۔۔ بڑے بڑے ناموں کی نہیں۔ کوئی بھی اچھا لکھ سکتا ہے۔ وہ جون ایلیا صاحب ہوں یا گلی کا چھوٹوں۔"

"یہ چھوٹوں کون ہے؟"

"پڑوس میں رہتا ہے بارہ سالہ لڑکا۔" صلومی نے سرسری سا بتایا۔

کمیل نے بھی کافی شاپنگ کرلی تھی۔ شام ہونے والی تھی تو دونوں رکشہ کروا کر گھر آگئے تھے۔

"بہت مزے کے تھے گول گپے۔ منے کے گول گپوں سے بھی اچھے تھے۔"

صلومی نے صحن میں قدم رکھتے ہوئے تعریف کی تھی۔ "کمال تھے۔"

"کہا تھا نا۔" کمیل نے شوخی سے کہا۔

اسی پل چچی بھی اندر سے باہر آتی دکھائی دی۔

"کافی ٹائم لگا دیا تم دونوں نے۔" چچی ڈانٹتے ہوئے بولیں۔ "وقت دیکھ رہے ہو دونوں۔"

کمیل نے صحن میں لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔

مغرب کی اذان ہونے ہی والی تھی۔

"اچھا چچی اندر چلیں۔ آپ کے لئے کچھ لایا ہوں میں۔"

"اچھا چلو۔" چچی خاموشی سے اندر کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

---☆☆☆---

"جناب! وہ رہا احسان۔" مٹیار گل نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بُلا کر لاتا ہوں اسے۔"

"رکو۔۔۔ اسکے پاس چلتے ہیں۔"

دونوں تیز تیز چلتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے۔

"کیسے ہو احسان۔میں یاد ہوں تمہیں۔" فلک بولا۔"ہم پہلے مل چکے ہیں۔"

"جی صاحب، آپکو کوئی کام تھا مجھ سے۔" احسان کام چھوڑ کر توجہ سے بات سننے لگا۔

دور کھیتوں کے درمیان کہیں اسکا باپ بھی کام کر رہا تھا اور چھوٹا بھائی ایک طرف کتابوں میں سر دے کر بیٹھا تھا۔

"تم اور رانی۔۔۔کیا چکر ہے۔اور ہر گز یہ نہ کہنا ہے کوئی چکر نہیں۔رانی کی بہن مریم بتا چکی ہے۔ہم تمہاری طرف کی کہانی سننا چاہتے ہیں۔" فلک نرم لیکن سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

"صاحب جی میں اور رانی دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔۔۔"

"اور پھر تم نے اسے مار دیا۔" مٹیار گل اسکی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بھڑک اٹھا۔

احسان دائیں بائیں سر ہلا کر انکار کرنے لگا۔

"بولنے دو لڑکے کو۔" فلک نے گل کو روکا۔ "آگے بولو۔" فلک نے ہاتھ سے بولنے کا اشارہ کیا۔

"میں اور رانی پسند کرتے تھے ایک دوسرے کو۔ وہ شادی کرنا چاہتی تھی لیکن میں اسے ٹال رہا تھا۔"

"کیوں ٹال رہے تھے۔" فلک نے پوچھا۔

مٹیار گل مسلسل اسے گھور رہا تھا۔

"کیونکہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے شہر جا کر نوکری کرنے کا ارادہ بتایا تھا اسے لیکن وہ مانی ہی نہیں۔ لیکن صاحب میں نے اسے نہیں مارا۔"

"پھر کس نے مارا۔" مٹیار گل بولا۔

"مجھے نہیں پتا صاحب جی۔" احسان نے دونوں کو دیکھتے کہا۔

"تم گاؤں سے کہیں نہیں جاؤ گے جب تک قاتل پکڑا نہیں جاتا۔"

"ٹھیک ہے۔" احسان اتنا کہہ کر مڑا اور اپنا کام کرنے لگا۔

"کیا لگتا ہے جناب یہ کر سکتا ہے قتل کیا۔" مٹیار گل بول۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا ابھی۔" فلک نے جواب دیا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آجانے دو۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

وہ دونوں مڑے اور تھانے کی طرف چلنے لگے۔

---☆☆☆---

ان خاموش اور پرسکون کھیتوں سے دور حویلی میں بھی اس وقت خاموشی تھی۔

"آج کھانے میں کیا پکانا ہے باجی۔" گڈی نے خاموش بیٹھی شازیہ بیگم سے پوچھا۔ وہ اس وقت لونگ روم میں بیٹھی تھیں۔

"رانی نے کبھی نہیں پوچھا یہ سوال۔ وہ جانتی تھی کس دن کیا پکے گا۔" وہ رانی کے نہ ہونے سے دکھی تھیں۔

رانی انکی باورچی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھی سننے والی بھی تھی۔ شازیہ بیگم اس سے اپنے دل کی ہر بات کر لیا کرتی تھیں۔ رانی اکلوتی تھی اسکے جیسی۔ وہ کافی مس کر رہی تھیں رانی کو۔

"باجی آپ نے بتایا نہیں۔" گڈی نے پھر سے پوچھا۔

"جو مرضی بنالو۔" انہوں نے دھیرے سے جواب دیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔

"اس کو میں نے اپنا ہیروں والا ہار دیا تھا۔ پتا نہیں کہاں رکھا ہو گا اس نے۔ کسی کو شاید بتایا ہو اس نے۔۔۔ شاید اپنی بہن کو بتایا ہو۔" وہ بڑبڑا رہی تھیں۔

انکے چہرے پر پریشانی تھی۔ تو یہ غم رانی کی موت کا غم نہیں تھا۔ اس ہار کا غم تھا۔

"اسکی بہن کو بلا کر پوچھوں گی لیکن اس بات کی خبر چودھری کو نہ ہو پائے۔"

وہ بیڈ پہ بیٹھ کر سوچنے لگیں۔

لیکن وہ ہار انہوں نے رانی کو دیا کیوں تھا؟

دروازے پہ دستک ہوئی اور ایک عورت اندر داخل ہوئی۔

"ہاں سکینہ۔۔۔"

سکینہ گڈی کی ماں تھی اور وہ بھی اسی حویلی میں رہتی تھی۔ وہ موٹی سی مسکین چہرے والی خاتون تھی۔

"باجی کھانے میں کیا بنانا ہے۔"

"میں گڈی کو بتا چکی ہوں۔" شازیہ بیگم نے اکتا کر کہا۔ "جو مرضی بنالو۔"

"اچھا باجی۔۔۔میں کچن میں دیکھتی ہوں۔" وہ ایک پل رکی پھر بولی۔ "باجی آپ پریشان ہیں۔"

"ہاں۔۔۔اتنی پیاری بچی تھی رانی (میرا پیار تھا اسکے پاس) بے چاری کا قتل ہو گیا۔اسکے لئے بس پریشان ہوں۔جاؤ تم اپنا کام کرو اور چودھری کو چائے دے دینا۔"

"اچھا جی۔" وہ دروازہ بند کر کے نیچے چلی آئی۔

بڑے سے کچن میں گڈی کھڑی سبزی کاٹ رہی تھی۔چولہے پہ چائے پک رہی تھی۔

"بن گئی چائے۔" سکینہ نے کہا۔ "دے آ چودھری کو۔"

"آپ جائیں امی میں کام کر رہی ہوں۔" وہ جوابا گویا ہوئی۔

"سست کہیں کی۔۔۔کوئی کام بھی کر لیا کر۔" سکینہ کپ میں چائے ڈالتی ہوئی بولی۔

"کر تو رہی ہوں امی۔۔۔"اسکے سبزی کاٹتے ہاتھ رکے۔"اور کیسے کروں۔"

"زیادہ بولا نہ کر سمجھ آئی۔"وہ ٹرے میں چائے اور کیک سجاتی ہوئی بولی۔"دھیان سے رہا کر۔۔۔۔رانی کا قتل ہوا ہے۔۔۔اسی حویلی سے جاتے ہوئے۔"

وہ کچھ نا کہتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔

وہ ٹرے لے کر کچن سے نکل آئی اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے چودھری کے مہمان خانے والے آفس میں آگئی۔

چودھری میز کے پیچھے پاور چیئر پہ بیٹھا تھا۔سامنے دو ملازم کھڑے تھے۔

"یہاں رکھو۔"چودھری نے اشارہ کیا۔

چودھری کے چہرے پر صدا کی سنجیدگی تھی۔

اس نے چائے رکھی۔وہ ملازموں کو ایک نظر دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل آئی اور اندر کچن کی طرف چل دی۔

یہ ملازم شاید پہلے اس نے دیکھے تھے۔چودھری کے بہت سے آدمی تھےاور سکینہ نے ہر کسی کو نہیں دیکھا ہوا تھا لیکن ان دونوں کو شاید اس نے حویلی میں پہلے بھی دیکھا تھا۔

---☆☆☆---

شام کا اندھیرا دن کے اجالے سے مل چکا تھا۔سورج ڈوب گیا اور شام اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

سیاہ آسمان پہ چاند چمک رہا تھا اور بادل تیرتے ہوئے چاند کے آس پاس تیر رہے تھے۔کبھی چاند کے آگے آجاتے کبھی تیرتے ہوئے آگے چلے جاتے۔

یہ خوبصورت چاندنی رات تھی۔

کمیل چچی کیلئے خریدی چادہ اور جوڑا انہیں دے چکا تھا اور اب اوپر اپنے کمرے میں بیٹھا اپنے کپڑے کھول کر دیکھ رہا تھا۔اس نے سیاہ ٹراؤزر پہ سفید رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔

وہ اٹھا اور سارے کپڑے الماری میں رکھنے لگا۔وہ کوئی گانا گنگنا رہا تھا۔

دروازے پر ہلکی سی کھٹکھٹاہٹ ہوئی۔

اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ صلومی دروازہ کے پاس کھڑی مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آج کے لئے شکریہ۔ کافی عرصے بعد اتنا اچھا لگا۔" وہ اندر چلی آئی۔ "شکریہ آپ مجھے ساتھ لے کر گئے۔"

وہ دوبارہ کپڑے سیٹ کرنے لگا۔

"یہ روبی بہت باتونی لڑکی ہے، ہے نا۔" وہ بس بات کرنا چاہتی تھی۔ بس کوئی اچھا بہانہ نہیں تھا۔

صلومی کے چہرے پر خوشی اور سکون کے تاثرات کے تھے۔

"تمہیں کھانے کا بہت شوق ہے غالباً۔" اس نے اسکی بات نظرانداز کی۔ "بازار میں بھی کوئی پچاس بار تم نے گول گپوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ ہلکا سا ہنسا۔

صلومی بھی مسکرادی۔

وہ الماری بند کر کے وہ اسکی طرف مڑا۔ چاند کی چمک دروازے سے ٹکرا کر اندر آ رہی تھی۔ اسکی آنکھیں جیسے روشن ہوئی تھیں۔

"بیٹھو۔" کمیل بولا اور خود دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ باندھے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

صلومی کے دائیں گال پر کان کے قریب ننھا سا بھورا تل تھا۔ غور سے نا دیکھو تو وہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

"آپ نے کس چیز کی پڑھائی کی ہے۔" خاموشی ٹوٹی۔

"میں۔۔۔نے بزنس پڑھا ہے۔" وہ بولا۔ "تایا اور ابا کی کمپنی، اب آیان اور تایا دیکھ رہے ہیں۔ میرے بھی کچھ چھوٹے موٹے سائیڈ بزنسز ہیں۔ اور میں کہیں جاب کرنے کا سوچ رہا ہوں۔ میں نے سنا تھا کار میں تمہاری ہوم اسکولنگ ہوئی ہے۔ ایسا کیوں؟"

صلومی اپنی انگلیوں دیکھتے ہوئے بولی۔"ابا کے بعد امی بہت ڈر گئی تھیں۔اس لئے انہوں نے مجھے گھر ہی رکھا۔ کبھی باہر نہیں جانے دیا۔ پھر عادت ہو گئی۔"

"تمہاری کوئی سہیلی نہیں ہے."اس نے اگلا سوال کیا۔

"روبی ہے نا۔ باتونی کہیں کی۔"وہ جواباً بولی۔

"اوہو وہ تو آج ملی ہے۔"وہ حیران ہوا۔"مطلب کوئی دوست نہیں ہے۔ہوں۔۔۔۔"

"مجھے دوستی کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔نہ اسکول گئی نہ کالج۔ گلی محلے کی بھی کوئی دوست نہیں میری۔۔"صلومی بولی۔"آپ کے تو اپنے بزنس ہیں پھر جاب کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"بس شوق ہے۔"وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"او اچھا۔۔۔"

"صلومی نیچے آؤ۔ کچن میں مدد کرواؤ میری۔"کچن سے چچی کی آواز آئی تھی۔

وہ اٹھی وہ نیچے کچن میں چلی گئی۔ چچی کمیل کیلئے خاص طور پہ پکوڑے بنا رہی تھیں۔

وہ بستر پہ گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔

'میں ہوں نا تمہارا دوست۔" وہ بڑبڑایا۔"بلکہ سہیلا جو تمہارے ساتھ آج گول گپے کھا کر آیا ہے۔"

وہ خود ہی اپنی بات پہ مسکرانے لگا۔

چاند آسمان پر چمکتا اس بات کا گواہ تھا کہ اس لمحے میں کچھ الگ ہوا تھا۔

کمیل کو محبت کا احساس ہوا تھا۔

ہمیں محبت ایسے ہی ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے۔ یہ کہانیوں میں جو کہتے ہیں نا لڑکی خوبصورت تھی اور اسکے لئے شہزادہ آگیا۔

لیکن حقیقی دنیا میں محبت ایسے ہی ہوتی ہے۔ عام لوگوں سے، ہولے ہولے، چھوٹی چھوٹی باتوں سے۔

---☆☆☆---

فلک اور مٹیار گل چودھری کے آفس میں بیٹھے تھے۔ باہر رات کا اندھیرا ہر طرف پھیل چکا تھا اور گاؤں بلکل خاموش اور سنسان سا ہو گیا تھا۔

چودھری چادر اوڑھے آفس میں داخل ہوا۔

"کیسے آنا ہوا انسپکٹر۔" چودھری انکے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنی بھاری آواز میں

بولا۔

وہ سنجیدہ تھا، ہمیشہ کی طرح۔

"چودھری صاحب۔۔۔ آخری ملاقات بھی ادھوری رہ گئی تھی اور اب ایک اور

وجہ بھی لایا ہوں ملاقات کی۔" فلک خالص پولس والے انداز میں بولا تھا۔

"کیا ہے وہ وجہ؟"

"چودھری صاحب ہمیں خبر ملی ہے کہ جس وقت رانی کی لاش ملی تھی اس وقت

ندی سے آپکے دو ملازم بھاگتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔" فلک بولا۔ "ہمیں ان

ملازموں سے بات کرنی ہے۔"

"میرے تو کئی ملازم ہیں۔ آپ نام بتائیں میں انکو بلاتا ہوں۔"

"شوقا اور تاڑا۔"

فلک نے نوری (لنگڑا گواہ جو رات کو اسے ملنے آیا تھا) سے انکے نام پوچھ لئے تھے۔

"ہوں۔۔۔آپکو کسی نے غلط خبر دی ہے۔شوقا اور تاڑا تین دن سے شہر گئے ہوئے ہیں۔میں نے ہی بھیجا ہوا ہے انکو میرے کام سے۔" بولتے ہوئے چودھری کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔"آپکا خبری جھوٹ بول رہا ہے۔"

"شوقا اور تاڑا جب بھی واپس آئیں انہیں تھانے بھیج دیجیئے گا۔"اس نے مٹیار گل کو دیکھا اور بولا۔"چلو چلتے ہیں۔"

"چائے پانی تو پی لیں۔ملازمہ آتی ہو گی لے کر۔"

"شکریہ چودھری صاحب۔۔۔پھر کبھی۔"

مٹیار گل کی جو مسکراہٹ کھانے کے نام پہ آئی تھی فلک کی بات پہ غائب ہوئی۔

دونوں تیز تیز چلتے حویلی سے نکل آئے۔انکا رخ تھانے کی طرف تھا۔

وہ اس چاندنی رات میں تانگے پر بیٹھ کر تھانے کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ تھانے پہنچے تو چند دیر بیٹھ کر سوچنے کے بعد مٹیار گل گھر چلا گیا۔(تھانے میں رات رہنے کی آج کسی اور کی ڈیوٹی تھی۔)

اور فلک اوپر اپنے کواٹر میں آ گیا۔رات کا کھانا کھایا اور چارپائی پہ لیٹ گیا۔

سوچتے سوچتے اسکی آنکھ لگ گئی۔

---☆☆☆—

نئے دن کا آغاز ہو چکا تھا۔

میرب کی صبح جھگڑے سے شروع ہوئی۔ مرید صاحب اسکے کمرے میں بیٹھے تھے اور وہ چیخ چیخ بات کر رہی تھی۔

"ایک بار لڑکے سے مل لو۔ اسکے بعد فیصلہ کرنا۔" مرید صاحب تحمل سے بولے۔

"بابا۔۔۔ میں نے کہا نا مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ چیخ کر بولی۔ "بس کریں۔۔۔"

"وہ لنچ پہ آرہا ہے اپنی فیملی کے ساتھ۔" وہ اٹھتے ہوئے دوٹوک انداز میں بولے۔

"تیار رہنا۔"

وہ اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔

"تیار رہنا۔۔۔ مائی فٹ!" انکے جانے کے بعد وہ چیخی تھی۔

اسکا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔

تنزیلہ کے کمرے میں آئیں تو وہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ سی بیٹھی میسجز چیک کر رہی تھی۔

"وہ مان گئی؟" مرید صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے پوچھا۔

مرید صاحب کے چہرے پر پریشانی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اپنی ضدی بیٹی کی ان حرکتوں سے تنگ آ چکے تھے۔

"مانے نہ مانے لیکن میرا دوست آج اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ آئے گا لنچ پہ۔ تم بھی گھر ہی رہنا۔ میں لنچ ٹائم پہ گھر آ جاؤں گا۔" انہوں نے اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" وہ اتنا کہہ کر دوبارہ موبائل کی سکرین کو دیکھنے لگی۔

اسے اس معاملے میں زیادہ دلچسپی نا تھی۔

---☆☆☆---

"دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔۔۔بعد میں انکار کر دوں گی۔ بابا کو بھی لگے گا کہ مجھے لڑکا پسند نہیں آیا۔" وہ خود کلامی کر رہی تھی۔ "علی کو بھی نہیں بتاؤ گی اس بارے میں۔بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔میں کون سا اس رشتے کے لئے ہاں کر رہی ہوں۔"

وہ صوفے سے اٹھی اور الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔

دو بجے مرید صاحب گھر آ گئے۔ تنزیلہ ملازمہ کے ساتھ مل کر مختلف پکوان تیار کر رہی تھی۔

تیاری ہو چکی تھی۔ مہمان آنے والے تھے۔

---☆☆☆---

علی اس وقت اپنی کلاس میں تھا۔پروفیسر لیکچر دے رہے تھے اور وہ بے خیالی میں سن رہا تھا۔

"میرب نہیں آئی آج۔۔۔رابطہ ہوا اس سے۔" پیچھے سے جانی پہچانی آواز اسے سنائی دی۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ پیچھے روبی بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

وہ دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں تھے۔ میرب بھی اسی یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔

"نہیں کل دوپہر سے نہیں ہوئی بات۔" اس نے مختصر جواب دیا اور سامنے دیکھنے لگا۔

"لڑائی تو نہیں ہو گئی۔" روبی نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ "ہیں۔۔۔ بتاؤ۔"

"روبی۔۔۔ لیکچر سنو۔"

"ہوں۔۔۔ اتنے تم پڑھاکو بلے۔" وہ ناک چڑا کر بڑبڑائی۔

"کل سے بات ہوئی بھی نہیں اور اب کرنی بھی نہیں۔" علی بھی آگے بیٹھا خود سے ہی عہد کر چکا تھا۔

یہ غلط فہمیاں

یہ بے چینیاں

یہ باتیں

یہ تنہائیاں

---☆☆☆---

"تنزیلہ مہمان پہنچنے والے ہیں۔" مرید صاحب نے وقت دیکھتے ہوئے بتایا۔

تنزیلہ آج پورے دل سے تیار ہوئی تھی۔ وہ مرید صاحب سے کافی جوان تو تھی ہی اور آج تو بہت زیادہ خوبصورت بھی لگ رہی تھی۔

دفعتاً انٹر کام کے بجنے کی آواز آئی۔ مرید صاحب پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

جب وہ واپس آنے تو انکے ہمراہ ایک انکی ہی عمر کا شخص، ایک خاتون اور ایک جوان لڑکا تھا۔

وہ سب لونگ روم میں آگئے۔ تنزیلہ بھی لونگ روم میں چلی آئی۔ اسکے پیچھے ملازمہ بھی ٹرالی میں سجی چائے اور ڈرائے فروٹ لے آئی۔

"یہ رضا رحمت ہے، میرے بزنس پارٹنر اور یہ انکی زوجہ کلثم بھابھی اور یہ انکا بیٹا آیان ہے۔" مرید صاحب تعارف کروا رہے تھے۔ "رضا، بھابھی۔۔۔ یہ میری وائف ، تنزیلہ ہے۔"

کلثم بیگم نے انکی جوان بیوی کو دیکھ کر بامشکل اپنی حیرانگی چھپائی۔

"اور آیان، یہ آپکی "شاید" ہونے والی ساس ہیں۔"

"ہیلو۔۔۔میں آپکو کیا کہہ کر مخاطب کروں۔"آیان نے تنزیلہ سے پوچھا تھا۔

کیونکہ تنزیلہ جوان تھی اس لئے وہ آنٹی نہیں کہنا چاہتا تھا۔

"تنزیلہ کہہ سکتے ہو۔"وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

کلثم بیگم ابھی تک اسے غور سے دیکھ رہیں تھیں۔انہوں نے تنزیلہ کو کہیں دیکھا تھا۔لیکن کہاں؟بس یہی یاد نہیں آرہا تھا۔

سب لوگ بیٹھ کر چائے پینے لگے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

"میرب کو تو بُلا لیں۔۔"کلثم بیگم نے ہی ہنستے ہوئے کہا۔"یاد آیا ہم تو لڑکی دیکھنے آئے تھے۔"

"میں لے کر آتی ہوں۔"تنزیلہ اتنا کہہ کر اٹھی اور میرب کے کمرے کی طرف چل دی۔

اس نے دروازے پہ دستک دی اور اندر داخل ہو گئی۔

میرب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی۔

"مہمان انتظار کر رہے ہیں۔" تنزیلہ کو لگا وہ غصے سے جواب دے گی لیکن۔۔۔

"چلیں۔" وہ آرام سے کہہ کر اس کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔

چلتے ہوئے وہ لونگ روم تک پہنچ چکے تھے۔

آیان نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ میرب سیاہ فراک پہنے، ہلکے سے میک اپ میں بہت دل کش لگ رہی تھی۔

آیان کا دل دھڑکا۔

"ہیلو آنٹی انکل۔۔۔ میں میرب۔" وہ انکے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ تنزیلہ بھی ساتھ بیٹھ گئی۔

میرب نے ایک نظر لڑکے کو دیکھا۔

وہ اونچے قد اور چوڑے شانوں والا خوبصورت جوان لڑکا تھا۔ اسکے بال گہرے بھورے تھے اور آنکھیں کی رنگت بادامی سی تھی۔

"ماشاءاللہ۔۔۔ کتنی پیاری ہو تم۔" کلثم بیگم اٹھ کر اس کی ایک طرف بیٹھ گئی۔

"مجھے تو لڑکی پسند آگئی۔" انہوں نے جیسے اعلان کیا تھا۔

میرب ہلکا سا مسکرائی۔

"بابا مجھے لڑکے سے کچھ بات کرنی ہے۔" میرب بولی۔

کلثم بیگم اس کے اس بے باک انداز پہ ذرا محظوظ ہوئیں۔

"جاؤ آیان۔" رضا صاحب بولے۔

کلثم بیگم نے اپنے شوہر کو حیرت سے دیکھا۔اور انکایوں دیکھنا تنزیلہ کے سوا کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

"جاؤ۔۔۔آیان کو لان میں لے جاؤ۔" مرید صاحب نے اجازت دی۔

آیان اور میرب ساتھ ساتھ اٹھے اور باہر لان کی طرف آ گئے۔

تنزیلہ نے انہیں جاتے دیکھا تو سوچنے لگی کہ اب کیا ہو گا۔یقیناً میرب کچھ کرنے والی تھی۔

میرب اور آیان دونوں لان میں لگے جھولے کی طرف چل آئے۔

"ہیلو میں میرب ہوں۔"

"ہیلو۔۔۔میں آیان رضا رحمت ہوں۔" آیان کی آواز بھاری لیکن پیاری تھی۔

"تو آپکو میں پسند ہوں؟"

وہ دونوں ساتھ ساتھ جھولے پر بیٹھ گئے۔

"ماما کو پسند ہیں آپ مطلب مجھے بھی پسند ہیں۔" وہ بولا۔

"ماما کے بیٹے ہو۔" وہ ہلکا سا ہنسی۔

"سچ کہوں تو میں نے خود کی پسند کو دیکھ لیا ہے۔ میری پسند، جس سے مجھے محبت تھی۔۔۔ وہ میری نہیں ہو سکی۔ اب میں چاہتا ہوں میں اس لڑکی سے شادی کروں اور اس سے نئی محبت کا آغاز کروں، جو میری ماں میرے لئے چنے گی۔"

"او۔" میرب حیران ہوئی۔

پہلی ملاقات میں اپنے پچھلی گرل فرینڈ کا ذکر کون کرتا ہے۔

"اب وہ کہاں ہے؟ آئی مین آپ کی گرل فرینڈ۔" اس نے اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اسکی بادامی رنگ آنکھوں میں کسی کی جدائی کا غم تھا۔

"وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔" وہ دور کہیں آسمان پر تیرتے بادلوں کو دیکھ رہا تھا۔

بادل کبھی سورج کے آگے آجاتے اور کبھی تیر کے آگے کو نکل جاتے۔

"سوری۔۔۔"

"نا۔۔ کوئی بات نہیں میں اب اسے یاد نہیں کرتا اور اب پروا نہیں کرتا اس وقت کی، اس شخص کی۔"

وقت کے ساتھ انسان کے سب زخم بھر جاتے ہیں پھر تکلیف رہتی ہے نا درد، رہ جاتے ہیں تو کچھ مدھم سے زخموں کے نشان۔

---☆☆☆---

(جاری ہے)